ایک حدیث

فضائلِ قرآنی

ترمذی نے حارث اعور سے انہوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ایک بار فرمایا: ستکون فتنۃ (عن قریب ایک بڑا فتنہ ظہور میں آئے گا)۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ اس سے نکلنے کی کیا صورت ہو گی؟ حضورؐ نے فرمایا: کتاب اللہ (اللہ کی کتاب)۔ اس کے بعد ہی حضورؐ نے کتاب اللہ کے متعلق چند حقائق کی پردہ کشائی کرتے ہوئے فرمایا:

فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم، ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم وھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء ولا تلتبس بہ الالسنۃ ولا تشبع منہ العلماء ولا یخلق علی کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ وھو الذی لم تنتہ الجن اذ سمعتہ حتی قالوا "انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فامنا بہ" من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم۔

قرآن میں تم سے پہلے کی خبریں، تمہارے بعد کی اطلاعیں اور تمہارے باہمی موجودہ اختلاف کا فیصلہ ہے۔ یہ ایک محکم حقیقت ہے، کوئی بے تکی بات نہیں۔ جو اسے عبث سمجھ کر چھوڑ بیٹھے گا اسے اللہ ہلاک کرے گا اور اس کے علاوہ کسی اور جگہ ہدایت تلاش کرے گا اسے خدا گمراہی میں ڈال دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی، پُر از حکمت ذکر اور صراطِ مستقیم ہے۔ یہی تو وہ چیز ہے جس سے نہ خواہشوں میں کجی آتی ہے نہ زبان میں لغزش۔ اہل علم کبھی اس سے سیر نہیں ہوتے اور بار بار دہرانے سے اس میں کوئی کہنگی نہیں آتی۔ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہی وہ کلام ہے جسے سن کر جن بھی اس کی انتہا کو نہ پا سکے۔ اور اسے سن کر انہیں کہنا پڑا کہ: ہم نے ایک عجیب کلام سنا ہے جو رشد کی طرف لے جاتا ہے اور ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔" جس کا قول مطابق قرآن ہو گا وہ سچا ہو گا اور جو اس پر عامل ہو گا وہ

مستحق اجر ہوگا۔ جو اس کے مطابق فیصلہ دے گا عادل ہوگا۔ اور جو اس کی طرف دعوت دے گا وہ صراطِ مستقیم پالے گا۔

اس پوری حدیث کی تشریح ایک ہی صحبت میں مشکل ہے اس لیے آج اس کی صرف ایک قسط ملاحظہ فرمائیے قرآن مجید کی جو سب سے بڑی خصوصیت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن ماضی، حال اور مستقبل تینوں کو ہر وقت اپنے سامنے رکھتا ہے۔ دنیا میں کئی طرح کے مسلمان اب بھی ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو ماضی پرست ہیں۔ ہر وقت ماضی میں کھوئے ہوئے رہتے ہیں۔ مستقبل کو تو وہ کیا سوچیں گے حال پر بھی نظر نہیں رکھتے اس لیے بے حال بلکہ بد حال رہتے ہیں۔ ان سے حال کا کوئی مسئلہ پوچھئے تو وہ فوراً کسی بہت پرانی متبرک کتابِ فقہ کا حوالہ دے دیں گے کہ اس میں یہ لکھا ہے۔ انہیں اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ حال کے کیا تقاضے ہیں اور ماضی میں کس حد تک ترمیم کی ضرورت ہے۔ حال آنکہ ماضی کڑی ہوتی ہے حال اور مستقبل کے سلسلے کی۔ حال ماضی ہی کا ایک ارتقائی قدم ہوتا ہے اور مستقبل کی طرف ارتقاء چاہتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ چھوٹے پودے کے گرد اینٹوں کا ایک کٹہرا اس کی حفاظت کے لیے بنا دیتے ہیں۔ لیکن جب وہ ایک بڑا درخت بن جاتا ہے تو وہ کٹہرا بے ضرورت ہوجاتا ہے اور ہٹا دیا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ حضرت ایک بڑے درخت کے گرد کوئی کٹہرا ہونا چاہیئے یا نہیں تو اس کا یہ جواب نہیں ہو سکتا کہ بھئی ماضی میں جب وہ چھوٹا پودا تھا تو کٹہرا لگا رہتا تھا۔ لہٰذا اسے بطور متبرک یادگار کے اب بھی ہونا چاہیئے۔ اس جذبے کا نام ماضی پرستی ہے اور اگر یہ حال اور مستقبل سے کٹ جائے تو انسان اس ماضی میں کھو جاتا ہے اور اس کی ماضی پرستی کی عمر جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرا گروہ ہوتا ہے جو ماضی سے بالکل بے تعلق رہتا ہے اور حال میں کھویا رہتا ہے۔ ماضی کے علوم و تجربات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا اور مستقبل پر اس کی نگاہ نہیں رہتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی کوششیں بارآور نہیں ہوتیں وہ "عاجل" کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ اور اپنا مستقبل تباہ کر دیتا ہے۔ تیسری قسم کے وہ حضرات ہیں جو زیادہ مستقبل اور آئیڈیل سے ہمہ تن وابستہ رہتے ہیں۔ بس آسمان پر اڑتے رہتے ہیں۔ زمین پر آنے کی تکلیف نہیں فرماتے۔ اس وقت حال کے تقاضے کیا ہیں، اس سے انہیں بحث نہیں ہوتی۔ وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ آئندہ مستقبل میں ایسا ہونا چاہیئے۔ یہ فلسفی قسم کے لوگ ہیں جو بڑے اونچے خیالات رکھنے کے باوجود حال کو سنوارنے کا کوئی نمایاں کام نہیں کر سکے۔

ہم کسی مسئلے پر غور کرتے وقت اگر ماضی کو بالکل نظر انداز کر دیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم آج ہی

پیدا ہوئے ہیں اور سارے مسائل زندگی آج ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں حالانکہ ہم جو کچھ آج ہیں وہ ماضی ہی کے نتیجے میں ہوئے ہیں۔ ماضی سے کٹ کر ہمارا کوئی تاریخی تسلسل نہیں باقی رہ سکتا۔ صحیح طرز عمل یہ ہے کہ نہ ماضی میں گم ہو جائیں اور نہ ماضی سے کٹ جائیں۔ پھر حال کو صرف ماضی ہی سے وابستہ نہ رکھیں بلکہ مستقبل کو بھی پیش نظر رکھیں۔ قرآن کریم ہمیں ماضی کے علوم اور تجربات سے بھی وابستہ رکھتا ہے۔ حال سنوارنے کی راہیں بھی سمجھاتا ہے اور پھر مستقبل کے نصب العین کو بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک گروہ کو پہاڑ کی بلند چوٹی پر پہنچنا ہے۔ یہ ہے مستقبل کا نصب العین۔ اب سردست اس کے لیے کیا کیا سامان کرنے ہیں جو اس وقت ہمارے بس میں ہیں۔ یہ ہے حال۔ اور پھر گزشتہ کے کیا تجربات ہیں جن سے ہمیں فائدہ اٹھانا ہے۔ یہ ہے ماضی۔ ماضی میں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ فلاں مقام پر جو لوگ کامیابی سے پہنچے ان کے تجربات کو اپنایا جائے اور جو خطرات ان کی کامیابی میں حائل ہوئے ان سے بچنے کی نئی راہ تلاش کی جائے۔ اسی نئی راہ کی تلاش کا نام فقہ میں اجتہاد ہے جو ماضی سے وابستہ رکھتے ہوئے رد و بدل کی گنجائش پیدا کرتا ہے۔ غرض ماضی، حال اور مستقبل تینوں سے وابستہ رہے بغیر زندگی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتی۔ اسی لیے قرآن پاک ان تینوں کو پیش نظر رکھتا ہے اور زیر نظر حدیث میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ

یعنی قرآن میں ماضی کی معلومات بھی ہیں، آئندہ کی اطلاعات بھی ہیں اور حال کی پیچیدگیوں کا حل بھی ہے۔

(محمد جعفر)

گلستانِ حدیث

مصنفہ محمد جعفر پھلواروی

چالیس منتخب احادیث نبوی کی تشریح جس کے ہر مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم کی آیات سے ان کی مطابقت نہایت دلکش انداز سے پیش کی گئی ہے۔ اندازِ نگارش اچھوتا اور تشریحات جدید افکار و اقدار کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ کاغذ و طباعت عمدہ۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ: سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور